OPEN ACCESS: Al Khadim Research Journal of Islamic Culture and Civilization
ISSN (ONLINE): 2710-0235 & ISSN (PRINT): 2710-0227
https://arjicc.com/index.php/arjicc

عہد عمر بن عبد العزیز کی مذہبی رواداری کی پالیسیاں اور پاکستان میں اقلیتوں کے حقوق کا تقابلی جائزہ

A Comparative Analysis of the Religious Tolerance Policies during the Era of Umar ibn Abd al-Aziz and the Rights of Minorities in Pakistan

Dr. Imrana Shahzadi
Assistant Professor, Department of Arabic, GCWUF
Email: drimrana@gcwuf.edu.pk

Dr. Asma Aziz
Assistant Professor, Department of Islamic Studies, GCWUF
Email: asmaaziz@gcwuf.edu.pk

Sania Nawaz
M.Phil Scholar, Department of Islamic Studies, GCWUF
Email: sanianawaz511@gmail.com

Received on: 05-02-2026 Accepted on: 15-03-2026

Abstract

Religious tolerance is an important principle for maintaining peace and harmony in a society where people belonging to different religions live together. The period of Umar ibn Abd al-Aziz is considered an important example of justice, equality and tolerance in Islamic history. He paid special attention to the rights of non-Muslim subjects and tried to establish a system in which people were treated fairly without religious discrimination. His policies included protection of the rights of non-Muslims, fair treatment, religious freedom and justice in matters of the state. Pakistan is also a country where people belonging to different religions live together, and the Constitution provides protection to the rights of minorities. This article examines the policies of religious tolerance during the period of Umar ibn Abd al-Aziz and compares them with the rights of minorities in Pakistan. The study focuses on justice, equality, religious freedom, protection of life and property, and the treatment of religious minorities. It also discusses how the principles of tolerance and justice followed during the period of Umar ibn Abd al-Aziz can be understood in the Pakistani context. The comparative study shows that justice, equal treatment and protection of religious rights are important for a peaceful and stable society.

Keywords: Umar ibn Abd al-Aziz, Religious Tolerance, Minority Rights, Justice, Equality, Religious Freedom, Pakistan.

مذہبی رواداری ایک پُرامن معاشرے کے لیے ضروری ہے۔ مختلف مذاہب کے لوگ ایک ہی معاشرے میں رہتے ہیں۔ اس لیے ایک دوسرے کے عقائد کا احترام ضروری ہے۔ اسلام نے بھی عدل اور رواداری کی تعلیم دی ہے۔ غیر مسلموں کے حقوق کی حفاظت پر بھی زور دیا گیا ہے۔

پاکستان میں بھی مختلف مذاہب کے لوگ رہتے ہیں۔ آئینِ پاکستان اقلیتوں کو کئی بنیادی حقوق دیتا ہے۔ انہیں اپنے مذہب پر عمل کرنے کی آزادی حاصل ہے۔ ان کے جان و مال کا تحفظ بھی ریاست کی ذمہ داری ہے۔ اس مضمون میں عمر بن عبد العزیزؒ کی مذہبی رواداری کی پالیسیوں کا جائزہ لیا گیا ہے۔ ان کا تقابل پاکستان میں اقلیتوں کے حقوق سے کیا گیا ہے۔ اس سے دونوں کے اہم پہلو سامنے آتے ہیں۔ اس کے ذریعے یہ سمجھنے میں مدد ملتی ہے کہ عدل اور رواداری معاشرے کے لیے کیوں ضروری ہیں۔

عمر بن عبد العزیزؒ اسلامی تاریخ کی اہم شخصیات میں شمار ہوتے ہیں۔ آپ کا تعلق بنو امیہ سے تھا۔ آپ نے ایسے وقت میں خلافت کی ذمہ داری سنبھالی جب ریاست کو کئی مسائل کا سامنا تھا۔ حکومت کے معاملات میں اصلاح کی ضرورت تھی۔ معاشرے میں بھی کئی ایسی باتیں پیدا ہو چکی تھیں جن کی وجہ سے عام لوگوں کو مشکلات کا سامنا تھا۔ آپ نے خلافت سنبھالنے کے بعد حکومت کے طریقۂ کار میں تبدیلی کی کوشش کی۔ آپ کے نزدیک حکمران کا کام صرف حکومت کرنا نہیں تھا۔ اس پر رعایا کے حقوق کی حفاظت بھی لازم تھی۔ اسی سوچ نے آپ کے طرزِ حکومت کو دوسروں سے الگ کیا۔ آپ نے اپنے لیے سادگی کو پسند کیا اور سرکاری معاملات میں دیانت داری پر زور دیا۔ قرآنِ پاک میں بھی عدل و انصاف کو بہت اہمیت دی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ''[1]

(بے شک اللہ عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے۔)

اس آیت میں عدل اور احسان کا حکم دیا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں انصاف کی بڑی اہمیت ہے۔ انسان کو دوسروں کے ساتھ انصاف کرنا چاہیے۔ کسی کے حق کو پامال نہیں کرنا چاہیے۔ عمر بن عبد العزیزؒ کے طرزِ حکومت میں بھی عدل کو اہم مقام حاصل تھا۔ آپ نے رعایا کے حقوق کی حفاظت کو اپنی ذمہ داری سمجھا۔

عمر بن عبد العزیزؒ نے حکومت کی ذمہ داری سنبھالنے کے بعد ان حالات کی طرف توجہ دی۔ آپ کے نزدیک ریاست کا کام صرف محصولات جمع کرنا نہیں تھا بلکہ رعایا کے حقوق کی حفاظت بھی ضروری تھی۔ اسی وجہ سے آپ نے سرکاری اہلکاروں کے معاملات پر نظر رکھی۔ جہاں زیادتی ہوئی، وہاں اصلاح کی کوشش کی گئی۔ مختلف مذہبی گروہوں کی موجودگی نے بھی اس دور کی حکومتی پالیسی کو اہم بنا دیا

تھا۔ غیر مسلم لوگ اپنے عقائد کے ساتھ زندگی گزار رہے تھے۔ ان کے ساتھ معاملہ کرتے وقت مذہبی اختلاف کے باوجود انصاف ضروری تھا۔ عمر بن عبد العزیزؒ کی پالیسیوں میں اسی پہلو کو خاص اہمیت ملتی ہے۔ مولانا محمد شعیب سرور لکھتے ہیں:

''ایک مرتبہ دو خارجیوں نے آکر حضرت عمر سے ذمیوں کے بارے میں استفسار کیا کہ کیا انہیں طاقت سے زیادہ تکلیف دی جا سکتی تھی؟ آپ نے جواب میں فرمایا: کہ جب اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی طاقت کے اندر تکلیف دیتا ہے تو ہم کون ہیں جو ان کو ان کی طاقت سے زیادہ تکلیف دیں؟ اس نے پھر پوچھا کہ اگر اہل ذمہ کے عبادت خانے یعنی گرجے وغیرہ ڈھا دیئے جائیں تو کیا حرج ہے؟ حضرت عمرؒ نے فرمایا: ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اس نے بہت اصرار کیا لیکن آپ نے اس کی یہ بات ہرگز نہیں مانی اور فرمایا یہ عبادت خانے اور گرجے میری رعایا کی صلاح اور فائدے میں شامل ہیں۔''[2]

اسلام نے انسانوں کے ساتھ اچھے برتاؤ اور انصاف کی تعلیم دی ہے۔ مذہب کے معاملے میں بھی جبر کو پسند نہیں کیا گیا۔ قرآن مجید میں واضح طور پر فرمایا گیا ہے:

''لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ''[3]

(دین میں کوئی زبردستی نہیں۔)

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی شخص کو زبردستی مذہب قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ مذہبی معاملے میں انسان کو اپنی مرضی اور اختیار حاصل ہے۔ یہی بات مذہبی رواداری کی ایک بنیادی شکل ہے۔ قرآن مجید نے دوسرے لوگوں کے ساتھ انصاف کرنے کا بھی حکم دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ''[4]

(بے شک اللہ عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے۔)

سنتِ نبوی ﷺ میں بھی غیر مسلموں کے ساتھ حسنِ سلوک کی کئی مثالیں ملتی ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے مختلف مذہبی گروہوں کے ساتھ معاملات میں انصاف کو ملحوظ رکھا۔ مدینہ کے معاشرے میں مختلف گروہ موجود تھے۔ ان کے باہمی معاملات کے لیے اصول مقرر کیے گئے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی معاشرے میں مختلف مذاہب کے لوگوں کے ساتھ رہنے کی گنجائش موجود ہے۔ قرآن مجید نے دشمنی کی صورت میں بھی انصاف چھوڑنے سے منع کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا ۚ اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ''[5]

(کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم انصاف نہ کرو۔ انصاف کرو، یہی تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔)

اس آیت میں انصاف کا اصول بہت واضح ہے۔ کسی سے اختلاف ہو تب بھی اس کے حق میں ناانصافی نہیں ہونی چاہیے۔ اس اصول کی روشنی میں غیر مسلموں کے حقوق کا خیال رکھنا بھی اسلامی معاشرت کا اہم حصہ بنتا ہے۔ قرآن و سنت کی ان تعلیمات سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ اسلام میں مذہبی رواداری کی بنیاد عدل، حسنِ سلوک اور انسانی حقوق کے احترام پر ہے۔ یہی اصول بعد کے اسلامی ادوار میں حکمرانوں کے طرزِ حکومت میں بھی نظر آتے ہیں۔ عمر بن عبد العزیزؒ کی پالیسیوں کو سمجھنے کے لیے یہ بنیادی اسلامی تعلیمات خاص اہمیت رکھتی ہیں۔ عبد الرشید عراقی لکھتے ہیں:

"دمشق کا ایک گرجا جو بنی نصر کی جاگیر میں آ گیا تھا حضرت عمر بن عبد العزیز نے یہ گرجا نصاری کو واپس کر دیا تھا۔ لیکن یزید نے دوبارہ اس کو نصاری سے لے کر بنی نصر کے حوالہ کر دیا۔ حجاج کے بھائی محمد بن یوسف نے اہل یمن پر جو خراج لگایا تھا۔ حضرت عمر بن عبد العزیز نے اس کو عشر میں تبدیل کر دیا تھا لیکن یزید نے اس کو دوبارہ قائم کر دیا۔"(6)

عمر بن عبد العزیز نے حکومت کے معاملات میں رعایا کے حقوق کو اہمیت دی۔ اگر کسی غیر مسلم کے ساتھ ظلم ہوتا تو اسے معمولی بات نہیں سمجھا جاتا تھا۔ آپ چاہتے تھے کہ لوگوں کو ان کا حق ملے۔ سرکاری اہلکار بھی اپنے اختیار کو غلط طریقے سے استعمال نہ کریں۔ اس سے آپ کی حکومتی سوچ کا اندازہ ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"إِنَّ اللَّهَ لَا يَنْهَاكُمْ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ أَنْ تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ"(7)

(اللہ تمہیں ان لوگوں کے ساتھ نیکی اور انصاف کرنے سے نہیں روکتا جنہوں نے دین کے معاملے میں تم سے جنگ نہیں کی۔)

اس آیت میں غیر مسلم لوگوں کے ساتھ نیکی اور انصاف کی بات کی گئی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مذہبی اختلاف کی وجہ سے ہر معاملے میں سختی کرنا اسلامی تعلیم نہیں ہے۔ جو لوگ امن کے ساتھ رہتے ہیں، ان کے ساتھ انصاف اور اچھا برتاؤ کیا جانا چاہیے۔ عمر بن عبد العزیزؒ کی پالیسیوں کو اسی اصول کی روشنی میں سمجھا جا سکتا ہے۔

آپ کی رواداری صرف الفاظ تک محدود نہیں تھی۔ اس کا تعلق روزمرہ حکومتی معاملات سے بھی تھا۔ لوگوں کی شکایات سننا، زیادتی روکنا اور حقوق واپس دلانا اسی طرزِ عمل کا حصہ تھا۔ اس سے رعایا میں اعتماد پیدا ہوتا ہے۔ جان کا تحفظ ہر انسان کا بنیادی حق ہے۔ اسی طرح مال کی حفاظت بھی ضروری ہے۔ اگر کسی شخص کا مال ناجائز طریقے سے لے لیا جائے تو یہ ظلم ہے۔ عمر بن عبد العزیزؒ نے ایسے معاملات پر توجہ دی۔ آپ چاہتے تھے کہ لوگوں کے حقوق واپس کیے جائیں اور کسی کو اپنی طاقت کے زور پر دوسرے کا حق لینے کی اجازت نہ ہو۔

اسلام میں ظلم کی سختی سے ممانعت کی گئی ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ"(8)

(بے شک اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔)

اس آیت سے واضح ہوتا ہے کہ ظلم اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ عمل نہیں۔ اس لیے کسی انسان کے ساتھ زیادتی کرنا درست نہیں۔ عمر بن عبد العزیزؒ کے طرزِ حکومت میں بھی ظلم کو روکنے اور لوگوں کے حقوق کی حفاظت پر توجہ دی گئی۔

عمر بن عبد العزیزؒ کے دور کو اس پہلو سے دیکھا جائے تو غیر مسلموں کے حقوق کا تحفظ مذہبی رواداری کا ایک عملی حصہ تھا۔ رواداری صرف یہ نہیں کہ دوسرے مذہب کو برداشت کیا جائے۔ اصل بات یہ ہے کہ اس کے ماننے والے کے حقوق بھی محفوظ رہیں۔ یہی سوچ آپ کی حکومتی پالیسی میں نمایاں نظر آتی ہے۔

”حجاج اہل نجران سے جزیہ میں (۸۰۰) منقش کپڑے لیتا تھا حضرت عمر بن عبد العزیز نے ان کے ساتھ تخفیف و رعایت کی اور (۲۰۰) کپڑوں کی تعداد مقرر کر دی لیکن یوسف بن عمر یزید بن عبد الملک کے زمانہ میں عراق کا والی بنا تو اس نے پھر حجاج کا قدیم طریقہ رائج کر دیا۔“(9)

یہ اس بات کو واضح کرنے میں مدد دیتا ہے کہ عمر بن عبد العزیزؒ کے نزدیک رعایا کے حقوق کی حفاظت حکومت کی اہم ذمہ داری تھی۔ مذہبی آزادی کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنے مذہبی عقائد کے مطابق زندگی گزار سکے۔ کسی شخص کو صرف اس کے مذہب کی وجہ سے پریشان نہ کیا جائے۔ اسلامی تعلیمات میں اس بات کو اہمیت دی گئی ہے کہ مذہب کے معاملے میں زبردستی نہ ہو۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

”لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ“(10)

(دین میں کوئی زبردستی نہیں۔)

یہ آیت مذہبی معاملے میں جبر کی نفی کرتی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عقیدے کا تعلق انسان کے اختیار سے ہے۔ کسی شخص کو زبردستی اپنا مذہب بدلنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ یہی اصول مختلف مذاہب کے لوگوں کے ساتھ رواداری کی بنیاد بنتا ہے۔ عبد الرشید عراقی نے یہ بھی لکھا ہے:

”حضرت عمر بن عبد العزیز نے اپنے عہد خلافت میں لوگوں کو قدریہ مذہب قبول کرنے سے سختی سے روکا تھا لیکن یزید بن عبد الملک نے اس مذہب کی عام دعوت دی۔“(11)

عمر بن عبد العزیزؒ کے دور میں غیر مسلم رعایا کو بھی اپنے مذہبی معاملات میں زندگی گزارنے کا حق حاصل تھا۔ ان کے ساتھ معاملات میں انصاف کو ملحوظ رکھا جاتا تھا۔ مذہبی اختلاف کو دشمنی کا سبب نہیں بنایا گیا۔ آپ کی کوشش تھی کہ ریاست میں رہنے والے لوگ امن کے ساتھ اپنے معاملات انجام دیں۔

عمر بن عبد العزیزؒ کی مذہبی رواداری کو اسی پس منظر میں دیکھنا چاہیے۔ آپ کے نزدیک ریاستی طاقت کا استعمال لوگوں کے مذہبی حقوق چھیننے کے لیے نہیں ہونا چاہیے تھا۔ عدل اور امن کو قائم رکھنا زیادہ اہم تھا۔ یہی وجہ ہے کہ غیر مسلم رعایا کے ساتھ اچھے برتاؤ اور ان کے حقوق

کے تحفظ کو آپ کی حکومتی سوچ میں جگہ ملی۔ اس سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ مذہبی رواداری صرف ایک نظری بات نہیں تھی۔ اس کا تعلق عملی زندگی سے بھی تھا۔ مختلف مذاہب کے لوگوں کے حقوق کا خیال رکھنا ریاستی نظم کا اہم حصہ تھا۔

عمر بن عبد العزیزؒ کے طرزِ حکومت میں عدل کو بنیادی حیثیت حاصل تھی۔ آپ کے نزدیک حکمران کی ذمہ داری تھی کہ رعایا کے ساتھ انصاف کرے۔ کسی شخص کا حق اس کی حیثیت یا مذہب کی وجہ سے کم نہیں ہونا چاہیے۔ حکومت کے فیصلوں میں انصاف کو سامنے رکھنا ضروری تھا۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ''(12)

(بے شک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے حق داروں کو پہنچاؤ اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو۔)

اس آیت میں حکومت اور فیصلہ کرنے والوں کے لیے واضح ہدایت موجود ہے۔ لوگوں کے معاملات میں انصاف کرنا ضروری ہے۔ عمر بن عبد العزیزؒ کی حکومتی سوچ میں بھی یہی بات نمایاں تھی۔ آپ رعایا کے حقوق کو حکمران کی امانت سمجھتے تھے۔

عمر بن عبد العزیزؒ کے دور میں مالی معاملات کو بھی اصلاح کی ضرورت تھی۔ حکومت کی آمدنی مختلف ذرائع سے حاصل ہوتی تھی۔ ان میں جزیہ بھی شامل تھا۔ جزیہ غیر مسلم رعایا سے لیا جانے والا ایک مالی محصول تھا۔ اس معاملے میں انصاف ضروری تھا تاکہ یہ رقم ظلم یا ناجائز دباؤ کا ذریعہ نہ بنے۔

عمر بن عبد العزیزؒ نے مالی معاملات میں اصلاح کی طرف توجہ دی۔ آپ کے نزدیک حکومت کو لوگوں سے وہی مالی بوجھ لینا چاہیے جو اصول کے مطابق ہو۔ کسی شخص پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ ڈالنا مناسب نہیں تھا۔ اس سوچ میں رعایا کی حالت کا خیال بھی شامل تھا۔

جزیہ کے معاملے میں بھی آپ نے بعض غلط طریقوں کو ختم کرنے کی کوشش کی۔ اگر کوئی شخص مسلمان ہو جاتا تو اس سے جزیہ لینے کا معاملہ باقی نہیں رہتا تھا۔ آپ نے ایسے طریقوں کی حوصلہ شکنی کی جن میں لوگوں کو صرف مالی فائدے کے لیے جزیہ دینے والے طبقے میں رکھا جائے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے نزدیک مالی آمدنی سے زیادہ اہم انصاف تھا۔ اسلام میں مالی معاملات میں بھی انصاف کی تعلیم دی گئی ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ''(13)

(اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم نہ دو۔)

اس آیت کا تعلق لوگوں کے حقوق سے ہے۔ کسی کا حق کم کرنا یا مالی معاملے میں زیادتی کرنا درست نہیں۔ عمر بن عبد العزیزؒ کی مالی اصلاحات کو اسی اصول کی روشنی میں دیکھا جا سکتا ہے۔ آپ چاہتے تھے کہ حکومت کی مالی پالیسی لوگوں کے لیے ظلم کا سبب نہ بنے۔

مالی انصاف کا ایک پہلو یہ بھی تھا کہ سرکاری اہلکار لوگوں سے ناجائز رقم نہ لیں۔ اگر محصول مقرر ہے تو اسے اسی حد تک لیا جائے۔ اس سے زیادہ وصول کرنا حق تلفی ہے۔ عمر بن عبد العزیزؒ نے سرکاری نظام میں اس قسم کی خرابیوں کو کم کرنے کی کوشش کی۔

جزیہ کو صرف ایک مالی معاملہ سمجھنا کافی نہیں۔ اس کا تعلق ریاست اور غیر مسلم رعایا کے تعلق سے بھی تھا۔ اگر مالی معاملات میں انصاف ہو تو لوگوں کے دلوں میں حکومت کے بارے میں بد اعتمادی کم ہوتی ہے۔ اسی لیے عمر بن عبد العزیزؒ کی مالی پالیسی کو مذہبی رواداری کے موضوع سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔

مولانا محمد شعیب سرور نے لکھا ہے:

''حضرت عمر بن عبد العزیز نے ظلم وجور کے انسداد کے سلسلہ میں ایک اقدام یہ کیا کہ آپ نے تاجروں پر پابندی لگادی تھی کہ وہ حد سے زیادہ منافع نہ لیں لیکن آپ نے اس پر کوئی سزا مقرر نہ کی اور آپ زیادہ منافع سے نفرت تو کرتے تھے لیکن سزا نہ دیتے۔ آپ نے جب اسامہ بن زید تنوخی کو مصر کا گورنر دینار کی مرچیں خریدیں اور اسامہ بن زید نے انہیں ایک گودام میں محفوظ کر دیا۔ اسامہ نے یہ مرچیں ولید بن عبد الملک کے لیے خریدی تھیں تا کہ انہیں ہدیہ کے طور پر شاہ روم کے پاس بھیجے لیکن جب حضرت عمر بن عبد العزیز خلیفہ ہو گئے تو موسیٰ بن مروان نے ان مرچوں کی قیمت کا مطالبہ کیا۔ موسیٰ بن مروان نے ایک روز حضرت عمر سے درخواست کی کہ آپ حیان بن سریج کو لکھ کر دیں کہ وہ ہزار دینار مجھے دے دیں جو مرچوں کی قیمت ہے۔ حضرت عمر نے پوچھا: یہ ہزار دینا کس کے ہیں؟ اس نے کہا: میرے ہیں۔ پوچھا: تمہارے پاس اتنی رقم کہاں سے آئی؟ موسیٰ نے کہا: میں تاجر ہوں۔ آپ نے اسے ایک چھڑی سے ملا کر فرمایا: تاجر فاجر ہوتا ہے اور فاجر جہنمی ہے۔ پھر فرمایا کہ حیان کو لکھ دو کہ اس کی رقم دے دے۔ موسیٰ کہتے ہیں کہ میں اس واقعہ کے بعد آپ کے پاس نہیں گیا اور آپ نے اپنے دربان کو حکم دیا کہ وہ میرے پاس نہ آئے۔''(14)

عمر بن عبد العزیزؒ کی اصلاحات کا اثر صرف سرکاری معاملات تک محدود نہیں رہا۔ ان کا تعلق معاشرے کے عام لوگوں سے بھی تھا۔ جب حکومت رعایا کے حقوق کا خیال رکھتی ہے تو لوگوں کے رویے میں بھی تبدیلی آتی ہے۔ انہیں اپنے جان ومال کے بارے میں زیادہ اطمینان محسوس ہوتا ہے۔

آپ کی پالیسیوں کا ایک اہم پہلو یہ تھا کہ مذہبی اختلاف کو معاشرتی ظلم کا سبب نہ بنایا جائے۔ مختلف مذاہب کے لوگ ریاست میں موجود تھے۔ ان کے ساتھ معاملات میں انصاف اور حسنِ سلوک کو اہمیت دی گئی۔ اس سے رواداری کو عملی شکل ملی۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''إِنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا مَا بِأَنْفُسِهِمْ''(15)

(بے شک اللہ کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنی حالت نہ بدلیں۔)

اس آیت کا بنیادی مفہوم تبدیلی اور اصلاح سے متعلق ہے۔ عمر بن عبد العزیزؒ نے اپنے دور میں موجود کئی خرابیوں کو بدلنے کی کوشش کی۔ حکومتی معاملات میں اصلاح کی گئی۔ رعایا کے حقوق کی طرف توجہ دی گئی۔ اس طرح تبدیلی صرف باتوں تک نہیں رہی بلکہ حکومتی عمل کا حصہ بنی۔

ان پالیسیوں کا معاشرے پر ایک اثر یہ تھا کہ لوگوں کے درمیان انصاف کا احساس پیدا ہوا۔ جب سرکاری سطح پر ظلم کو روکنے کی کوشش ہو تو عام لوگوں کو بھی اپنے حقوق کا شعور ملتا ہے۔ اس سے معاشرتی زندگی میں سکون پیدا کرنے میں مدد ملتی ہے۔

عمر بن عبد العزیزؒ کی اصلاحات کا مجموعی جائزہ لیا جائے تو ان میں عدل، رعایا کے حقوق اور ظلم کی روک تھام نمایاں نظر آتی ہے۔ مذہبی رواداری بھی اسی وسیع حکومتی سوچ کا حصہ تھی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کا دور اسلامی تاریخ میں اصلاح اور انصاف کے حوالے سے خاص اہمیت رکھتا ہے۔ اس سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ اچھی حکومتی پالیسی کا اثر صرف سرکاری نظام پر نہیں پڑتا۔ اس کا تعلق براہِ راست معاشرے اور رعایا کے ساتھ بھی ہوتا ہے۔ عمر بن عبد العزیزؒ کی اصلاحات میں یہی پہلو نمایاں دکھائی دیتا ہے۔

پاکستان کے آئین 1973ء میں مذہبی آزادی کو بنیادی حق کے طور پر تسلیم کیا گیا ہے۔ آئین کا آرٹیکل 20 ہر شہری کو اپنے مذہب کو ماننے، اس پر عمل کرنے اور اس کی تبلیغ کرنے کا حق دیتا ہے۔ اسی آرٹیکل کے تحت ہر مذہبی گروہ اور اس کے فرقے کو اپنے مذہبی ادارے قائم کرنے، انہیں برقرار رکھنے اور ان کا انتظام کرنے کا حق بھی حاصل ہے۔ یہ حقوق قانون، امنِ عامہ اور اخلاقی اصولوں کے تابع ہیں۔

اس آئین کا مطلب صرف یہ نہیں کہ کوئی شخص اپنے مذہب کا نام بتا سکتا ہے۔ اس میں عملی زندگی بھی شامل ہے۔ کوئی شہری اپنی عبادت کر سکے، اپنی مذہبی رسومات ادا کر سکے اور اپنے مذہبی اداروں سے وابستہ رہ سکے۔ اسی طرح مذہبی گروہوں کو اپنے اداروں کے انتظام کا حق دیا گیا ہے۔ یہ اصول اقلیتوں کے لیے خاص اہمیت رکھتا ہے۔ اگر کسی ریاست میں مختلف مذاہب کے لوگ آباد ہوں تو ان کے مذہبی معاملات میں غیر ضروری رکاوٹ نہیں ہونی چاہیے۔ ہر شہری کو یہ احساس ہونا چاہیے کہ اس کا مذہب اس کے بنیادی شہری حق کے راستے میں رکاوٹ نہیں بنے گا۔ اسلامی تعلیمات میں بھی مذہب کے معاملے میں جبر کی نفی ملتی ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ''(16)

(دین میں کوئی جبر نہیں۔)

اس آیت سے مذہبی معاملے میں جبر سے گریز کا اصول سامنے آتا ہے۔ انسان کو زبردستی کسی عقیدے پر مجبور کرنا درست نہیں۔ اس اصول کا تعلق مذہبی رواداری سے بھی ہے۔ ریاست میں مختلف مذہبی گروہوں کے ساتھ معاملہ کرتے وقت ان کے بنیادی حقوق کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

پاکستان کے آئینی اصول اور عمر بن عبد العزیزؒ کے طرزِ حکومت کو ساتھ رکھ کر دیکھا جائے تو ایک بنیادی مماثلت سامنے آتی ہے۔ دونوں میں مذہبی اختلاف کے باوجود حقوق کے تحفظ اور انصاف کی بات ملتی ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ عمر بن عبد العزیزؒ کے دور میں یہ اصول حکومتی عمل اور انتظام کا حصہ تھے، جبکہ پاکستان میں ان اصولوں کو آئینی دفعات کے ذریعے بیان کیا گیا ہے۔

یہاں یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ صرف آئین میں حق لکھ دینا کافی نہیں۔ اصل اہمیت اس وقت پیدا ہوتی ہے جب یہ حق عام زندگی میں بھی محفوظ ہو۔ اگر قانون آزادی دے لیکن عملی طور پر کسی شہری کو اپنے مذہب پر عمل کرنے میں خوف یا رکاوٹ کا سامنا ہو تو آئینی حق کا مقصد مکمل طور پر حاصل نہیں ہوتا۔

"ہر شہری کو اپنے مذہب کی پیروی کرنے اس پر عمل کرنے، اس کا پرچار اور تبلیغ کرنے کا حق ہو گا۔ ہر مذہبی جماعت، ہر گروہ، ہر فرقے کو اپنے مذہبی ادارے قائم کرنے، برقرار رکھنے اور ان کا انتظام کرنے کا حق ہو گا۔"[17]

قومی زندگی میں اقلیتوں کا کردار صرف سرکاری ملازمت تک محدود نہیں۔ تعلیم، تجارت، طب، سیاست، سماجی خدمت اور دوسرے شعبوں میں بھی اقلیتی شہری اپنا حصہ ڈالتے ہیں۔ کسی بھی ملک کی ترقی میں اس کے تمام شہریوں کی صلاحیت اہم ہوتی ہے۔ اس لیے مذہبی شناخت کی بنیاد پر کسی کو پیچھے رکھنا معاشرے کے لیے نقصان کا باعث بن سکتا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا ۚ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ"[18]

(اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہیں قوموں اور قبیلوں میں اس لیے تقسیم کیا کہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ بے شک اللہ کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیز گار ہے۔)

اس آیت میں انسانی تقسیم کا مقصد باہمی پہچان بتایا گیا ہے۔ صرف قوم، خاندان یا گروہ کی بنیاد پر کسی انسان کو دوسرے سے کمتر قرار نہیں دیا گیا۔ اس سے انسانی احترام اور مساوی سلوک کا اصول سامنے آتا ہے۔

یہ اصول عمر بن عبد العزیزؒ کی حکومتی سوچ سے بھی جڑتا ہے۔ آپ کے نزدیک حکومت کا کام صرف مسلمانوں کے معاملات دیکھنا نہیں تھا۔ غیر مسلم رعایا بھی ریاست کا حصہ تھی۔ ان کے حقوق کی حفاظت اور ان کے ساتھ انصاف کرنا حکمران کی ذمہ داری سمجھی جاتی تھی۔

پاکستان میں ہر شہری کو اپنے مذہب پر عمل کرنے کا حق حاصل ہے۔ مذہبی آزادی کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنی عبادت کر سکے اور اپنے مذہبی طریقے کے مطابق زندگی گزار سکے۔ اقلیتوں کے لیے یہ حق خاص اہمیت رکھتا ہے۔ اس سے ان کی مذہبی شناخت بھی محفوظ رہتی ہے۔

آئین پاکستان مذہبی آزادی کی ضمانت دیتا ہے۔ ہر مذہبی گروہ کو اپنے مذہبی ادارے قائم کرنے اور ان کا انتظام کرنے کا حق حاصل ہے۔ عبادت گاہیں بھی اسی حق کا حصہ ہیں۔ ان کا تحفظ ریاست کی ذمہ داری ہے۔

اسلامی تعلیمات میں بھی عبادت گاہوں کے احترام کی ہدایت ملتی ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''وَلَوْلَا دَفْعُ اللهِ النَّاسَ بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوَاتٌ وَمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللهِ كَثِيرًا''[19]

(اور اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعے نہ روکتا رہتا تو خانقاہیں، گرجے، عبادت خانے اور مسجدیں جن میں اللہ کا نام کثرت سے لیا جاتا ہے، ضرور ڈھادی جاتیں۔)

اس آیت سے مختلف مذاہب کی عبادت گاہوں کے احترام کا اصول سامنے آتا ہے۔ اس لیے کسی عبادت گاہ کو نقصان پہنچانا مذہبی رواداری کے خلاف ہے۔

پاکستان میں بعض مواقع پر مذہبی اقلیتوں کو تعصب اور امتیازی رویوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ بعض حالات میں عبادت گاہوں اور مذہبی شناخت کے بارے میں بھی مسائل سامنے آتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آئینی ضمانت اور عملی صورتِ حال میں فرق پیدا ہو سکتا ہے۔

یہاں عمر بن عبدالعزیزؒ کا طرزِ حکومت اہم مثال پیش کرتا ہے۔ آپ نے عدل کو صرف ایک اصول کے طور پر بیان نہیں کیا بلکہ حکومتی معاملات میں اسے نافذ کرنے کی کوشش کی۔ رعایا کے ساتھ ہونے والی زیادتی کو درست کرنا آپ کی اصلاحات کا حصہ تھا۔

مذہبی رواداری کا مقصد صرف اختلاف برداشت کرنا نہیں۔ اس میں دوسرے کے حق کا احترام بھی شامل ہے۔ جب یہ رویہ قانون اور معاشرتی زندگی دونوں میں نظر آئے تو مذہبی ہم آہنگی مضبوط ہوتی ہے۔ اسی طرح دفعہ 25 شہریوں کے مابین مساوات کو تسلیم کرتی ہے اور مذہب، نسل یا جنس کی بنیاد پر کسی امتیاز کی نفی کرتی ہے۔

''آرٹیکل 25، شہریوں کے مابین مساوات

(1) تمام شہری قانون کی نظر میں برابر ہیں اور قانونی تحفظ کے مساوی طور پر حق دار ہیں۔

(2) صرف اور صرف جنس کی بنا پر کوئی فرق یا امتیاز نہیں کیا جائے گا۔

(3) اس آرٹیکل میں مدرج کوئی امر عورتوں اور بچوں کے تحفظ کے لئے مملکت کی طرف سے کوئی خاص اہتمام کرنے میں مانع نہ ہو گا۔''[20]

یوں پاکستان میں مذہبی آزادی کا آئینی تصور واضح ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ان حقوق کو عملی زندگی میں بھی مضبوط بنایا جائے۔ عمر بن عبدالعزیزؒ کی پالیسیوں کا اطلاقی پہلو بھی اسی طرف رہنمائی کرتا ہے کہ عدل صرف تحریر میں نہیں بلکہ عمل میں نظر آنا چاہیے۔

پاکستان میں اقلیتیں بھی اسی ریاست کی شہری ہیں۔ ان کے حقوق آئین میں تسلیم کیے گئے ہیں۔ انہیں اپنے مذہب پر عمل کرنے، عبادت کرنے اور اپنی مذہبی شناخت برقرار رکھنے کا حق حاصل ہے۔ ریاست کی ذمہ داری ہے کہ یہ حقوق صرف کتاب میں نہ رہیں بلکہ عام زندگی میں بھی محفوظ ہوں۔

قانون کی نظر میں شہریوں کے درمیان فرق نہیں ہونا چاہیے۔ کسی شخص کے ساتھ صرف اس کے مذہب کی وجہ سے مختلف سلوک مناسب نہیں۔ قانون سب کے لیے ایک ہو تو معاشرے میں اعتماد پیدا ہوتا ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ''[21]

(بے شک اللہ عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے۔)

یہ آیت ریاستی معاملات کے لیے بھی اہم رہنمائی دیتی ہے۔ عدل کا تقاضا ہے کہ ہر شہری کے ساتھ انصاف کیا جائے۔ کسی کے مذہب یا شناخت کی وجہ سے اس کے حق میں کمی نہ کی جائے۔

آئین پاکستان بھی اقلیتوں کے جائز حقوق کے تحفظ کی بات کرتا ہے۔ اس سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ اقلیتوں کا تحفظ ریاستی ذمہ داری ہے۔ صرف یہ کہنا کافی نہیں کہ سب شہری برابر ہیں۔ برابری اس وقت نظر آتی ہے جب مشکل وقت میں بھی ہر شہری کو قانون کی مدد ملے۔

ریاستی اداروں کا کردار بھی اہم ہے۔ پولیس، عدالتیں، انتظامیہ اور دوسرے سرکاری ادارے قانون کے پابند ہیں۔ اگر کسی اقلیتی شہری کے ساتھ زیادتی ہو تو اسے شکایت کا حق ملنا چاہیے۔ اس کی بات سنی جائے۔ اسے انصاف تک پہنچنے میں مشکل نہ ہو۔

اسی طرح سرکاری اداروں میں مذہبی بنیاد پر امتیاز سے بچنا ضروری ہے۔ ملازمت، تعلیم اور دوسری قومی سرگرمیوں میں قانون کے مطابق مواقع ملنے چاہئیں۔ اس سے اقلیتیں خود کو ملک کا برابر کا شہری سمجھتی ہیں۔

عمر بن عبد العزیز نے حکومتی معاملات میں عدل کو اہم مقام دیا۔ غیر مسلم رعایا کے حقوق کے معاملے میں بھی انصاف کو نظر انداز نہیں کیا گیا۔ اس سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ ریاست کا تعلق صرف اکثریت سے نہیں ہوتا۔ ریاست کی ذمہ داری اپنی پوری رعایا کے ساتھ ہوتی ہے۔ مولانا محمد شعیب سرور لکھتے ہیں:

''ایک مرتبہ دو خارجیوں نے آکر حضرت عمر سے ذمیوں کے بارے میں استفسار کیا کہ کیا انہیں طاقت سے زیادہ تکلیف دی جا سکتی تھی؟ آپ نے جواب میں فرمایا: کہ جب اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی طاقت کے اندر تکلیف دیتا ہے تو ہم کون ہیں جو ان کو ان کی طاقت سے زیادہ تکلیف

دیں؟ اس نے پھر پوچھا کہ اگر اہل ذمہ کے عبادت خانے یعنی گرجے وغیرہ ڈھا دیئے جائیں تو کیا حرج ہے؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا: ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اس نے بہت اصرار کیا لیکن آپ نے اس کی یہ بات ہرگز نہیں مانی اور فرمایا یہ عبادت خانے اور گرجے میری رعایا کی صلاح اور فائدے میں شامل ہیں ہے۔"(22)

پاکستان میں مختلف مذاہب سے تعلق رکھنے والے لوگ ایک ہی معاشرے میں رہتے ہیں۔ ان کے عقائد الگ ہو سکتے ہیں۔ لیکن شہری زندگی میں ایک دوسرے کے ساتھ تعلق رہتا ہے۔ اس لیے باہمی احترام ضروری ہے۔

مذہبی اختلاف اپنی جگہ موجود رہ سکتا ہے۔ ہر شخص کو اپنے عقیدے پر قائم رہنے کا حق ہے۔ اس کے باوجود دوسروں کے مذہب اور مذہبی جذبات کا احترام کیا جا سکتا ہے۔ یہی رویہ معاشرے میں سکون پیدا کرتا ہے۔ ایسے ماحول میں قومی یکجہتی متاثر ہوتی ہے۔ اس لیے مذہب کے نام پر نفرت پھیلانے کے بجائے قانون اور اخلاق کے دائرے میں رہنا ضروری ہے۔ ریاست کی ذمہ داری بھی ہے کہ وہ ایسے رویوں کو روکے جو کسی شہری کے بنیادی حق کو نقصان پہنچاتے ہوں۔ قرآن و سنت کی تعلیمات اس بات کی روشن۔ مثال ہے۔

قرآن مجید عدل اور اچھے برتاؤ کی تعلیم دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ''(23)

(بے شک اللہ عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے۔)

سنت نبوی ﷺ میں بھی غیر مسلموں کے حقوق کا خیال رکھنے کی واضح مثالیں ملتی ہیں۔ ان کے جان و مال کی حفاظت اور ان کے ساتھ انصاف کو اہمیت دی گئی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مذہبی رواداری اسلامی معاشرت کا اہم حصہ ہے۔

عمر بن عبد العزیزؒ کے دور میں عدل کو حکومتی معاملات میں خاص اہمیت حاصل تھی۔ آپ نے رعایا کے ساتھ انصاف کو بنیادی اصول بنایا۔ غیر مسلم رعایا بھی اسی ریاست کا حصہ تھی۔ ان کے حقوق کے معاملے میں بھی زیادتی سے بچنے کی کوشش کی گئی۔

بین المذاہب ہم آہنگی صرف تقریروں سے پیدا نہیں ہوتی۔ اس کے لیے روزمرہ زندگی میں بھی برداشت چاہیے۔ قانون سب کے لیے برابر ہو۔ مذہبی آزادی محفوظ ہو۔ اور کسی شہری کو اس کے عقیدے کی وجہ سے کم تر نہ سمجھا جائے۔

عہدِ عمر بن عبد العزیزؒ اور آئین پاکستان کو سامنے رکھا جائے تو دونوں میں ایک بنیادی بات مشترک نظر آتی ہے۔ وہ عدل اور انسان کے حقوق کا تحفظ ہے۔ دونوں کے درمیان زمانے اور نظام کا فرق ضرور ہے۔ عمر بن عبد العزیزؒ کا دور خلافت کا دور تھا۔ پاکستان ایک جدید آئینی ریاست ہے۔ اس فرق کے باوجود بعض بنیادی اصول ایک دوسرے سے قریب دکھائی دیتے ہیں۔

عمر بن عبد العزیزؒ کے طرز حکومت میں عدل کو خاص اہمیت حاصل تھی۔ آپ کے نزدیک حکمران کی ذمہ داری تھی کہ رعایا کے ساتھ ناانصافی نہ ہو۔ کسی فرد کے ساتھ اس کی حیثیت یا مذہب کی وجہ سے زیادتی نہیں ہونی چاہیے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

''إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ''[24]

(بے شک اللہ عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے۔)

پاکستان کے آئین میں بھی شہریوں کے بنیادی حقوق کا تصور موجود ہے۔ قانون کی نظر میں برابری کو اہمیت دی گئی ہے۔ اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ کے لیے بھی آئینی دفعات موجود ہیں۔

''آرٹیکل 25، شہریوں کے مابین مساوات

(1) تمام شہری قانون کی نظر میں برابر ہیں اور قانونی تحفظ کے مساوی طور پر حق دار ہیں۔

(2) صرف اور صرف جنس کی بنا پر کوئی فرق یا امتیاز نہیں کیا جائے گا۔''[25]

یہاں دونوں کا تقابل کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ عدل صرف کسی ایک طبقے کے لیے نہیں ہونا چاہیے۔ ریاست میں رہنے والے ہر فرد کو اپنے بنیادی حقوق ملنے چاہئیں۔

عمر بن عبد العزیزؒ کے دور میں غیر مسلم رعایا کو اپنے مذہبی معاملات میں زندگی گزارنے کا حق حاصل تھا۔ مذہبی اختلاف کو ظلم کا سبب نہیں بنایا گیا۔ ان کے ساتھ ریاستی معاملات میں انصاف کا رویہ اختیار کیا گیا۔ یہاں ایک اہم فرق بھی سامنے آتا ہے۔ عمر بن عبد العزیزؒ کی اصلاحات زیادہ تر حکومتی عمل اور انتظامی فیصلوں کے ذریعے سامنے آئیں۔ پاکستان میں حقوق کے لیے آئینی اور قانونی طریقہ موجود ہے۔ اس لیے دونوں کا مقصد بعض جگہ مشترک ہے، لیکن طریقہ مختلف ہے۔

عمر بن عبد العزیزؒ کے نزدیک حکمران اپنی رعایا کے بارے میں جواب دہ تھا۔ اس لیے ریاستی ذمہ داری صرف حکومت چلانے تک محدود نہیں تھی۔ ظلم ختم کرنا اور لوگوں کے حقوق کی حفاظت بھی اس میں شامل تھی۔ پاکستان میں بھی ریاست کے فرائض آئین میں بیان کیے گئے ہیں۔ اقلیتوں کے حقوق کا تحفظ اسی ذمہ داری کا حصہ ہے۔ اس لیے آئینی حق کو عملی تحفظ دینا ضروری ہے۔ اگر قانون موجود ہو مگر اس پر عمل نہ ہو تو حق کمزور ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اگر ریاست عدل کی بات کرے مگر کسی شہری کو انصاف نہ ملے تو ریاستی اصول اپنی عملی قوت کھو دیتے ہیں۔ حضرت عمر بن عبد العزیز نے لکھا:

''میں چاہتا ہوں کہ رعایا کے معاملے میں حضرت عمر بن خطاب دل کی روش اختیار کروں۔ بشرطیہ کہ یہ اللہ تعالیٰ کو منظور ہو اور میں اس پر قادر ہوں آپ میرے پاس حضرت عمر فاروق بھی کی تحریریں اور ان کے فیصلے جو انہوں نے مسلمانوں اور ذمیوں کے متعلق کیے ہیں بھیج دیجیے۔ اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہو گا تو میں ان کے نقش قدم پر چلوں گا۔''[26]

دونوں نظاموں کے مطالعے میں ایک اور بات سامنے آتی ہے۔ مذہب کی بنیاد پر ناانصافی سے بچنا ضروری ہے۔ عمر بن عبد العزیزؒ نے رعایا کے ساتھ عدل پر زور دیا۔ پاکستان کے آئینی نظام میں بھی مساوی حقوق کا اصول موجود ہے۔

مذہبی تعصب سے معاشرے میں فاصلے بڑھتے ہیں۔ اس لیے ریاست کو ایسے رویوں کی روک تھام کرنی چاہیے جو کسی شہری کو صرف اس کے مذہب کی وجہ سے نقصان پہنچائیں۔

تقابلی جائزے سے چند مشترک اصول سامنے آتے ہیں۔ ان میں عدل، انسانی عزت، مذہبی آزادی، جان و مال کا تحفظ اور ریاستی ذمہ داری شامل ہیں۔ دونوں میں یہ تصور اہم ہے کہ رعایا کے حقوق نظر انداز نہیں کیے جانے چاہئیں۔ عمر بن عبد العزیزؒ کی پالیسیوں کا مطالعہ صرف تاریخی معلومات کے لیے نہیں کیا جا سکتا۔ ان میں بعض ایسے اصول بھی ملتے ہیں جو آج کے معاشرے کے لیے رہنمائی دے سکتے ہیں۔ خاص طور پر عدل، مساوات اور رعایا کے حقوق کا خیال رکھنے کی بات اہم ہے۔ پاکستان میں اقلیتوں کے حقوق کے حوالے سے ان اصولوں کو موجودہ آئینی نظام کے اندر سمجھا جا سکتا ہے۔

عمر بن عبد العزیزؒ کے طرز حکومت میں عدل کو مرکزی حیثیت حاصل تھی۔ آپ کے نزدیک حکومت کا مقصد صرف انتظام چلانا نہیں تھا۔ لوگوں کے ساتھ انصاف کرنا بھی ضروری تھا۔ اسی وجہ سے ناانصافی کو ختم کرنے اور لوگوں کے حقوق واپس دلانے پر توجہ دی گئی۔ پاکستان میں بھی عدل کو عملی زندگی میں مضبوط بنانے کی ضرورت ہے۔ قانون سب کے لیے برابر ہو۔ کسی شہری کے ساتھ اس کے مذہب کی وجہ سے فرق نہ کیا جائے۔ اگر کسی اقلیتی شہری کے ساتھ زیادتی ہو تو اسے انصاف ملنا چاہیے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ''[27]

(اے ایمان والو! انصاف پر مضبوطی سے قائم رہو۔)

اس آیت کا تعلق صرف ذاتی معاملات سے نہیں۔ اجتماعی زندگی میں بھی انصاف ضروری ہے۔ ریاستی اداروں کے فیصلے بھی عدل کے اصول کے مطابق ہونے چاہئیں۔

پاکستان میں اقلیتوں کے حقوق کے لیے آئینی دفعات موجود ہیں۔ ان میں مذہبی آزادی اور مساوی حقوق کی ضمانت شامل ہے۔ لیکن ان حقوق کو عملی طور پر محفوظ کرنا بھی ضروری ہے۔ ریاست کو چاہیے کہ اقلیتوں کی عبادت گاہوں اور جان و مال کا تحفظ کرے۔ ان کے خلاف ہونے والی زیادتی پر قانون کے مطابق کارروائی ہو۔ شکایت کی صورت میں انہیں انصاف تک رسائی حاصل ہو۔ یہ اقدامات صرف اقلیتوں کے فائدے کے لیے نہیں۔ اس سے پورے معاشرے میں قانون پر اعتماد بڑھتا ہے۔

مذہبی تعصب صرف قانون سے ختم نہیں ہوتا۔ لوگوں کے رویوں میں بھی تبدیلی ضروری ہے۔ تعلیمی اداروں میں برداشت اور باہمی احترام کی بات کی جائے۔ مختلف مذاہب کے بارے میں درست معلومات دی جائیں۔ غلط فہمیوں کو دور کرنے کی کوشش کی جائے۔ میڈیا کا کردار بھی اہم ہے۔ مذہبی معاملات کو سنسنی کے بجائے ذمہ داری سے پیش کیا جائے۔ کسی ایک واقعے کی وجہ سے پوری مذہبی برادری کو

موردِ الزام نہ ٹھہرایا جائے۔ مختلف مذاہب کے لوگوں کے درمیان رابطہ بڑھانا بھی ضروری ہے۔ مذہبی رہنما ایک دوسرے کے ساتھ بیٹھیں۔ مقامی سطح پر ایسے پروگرام ہوں جہاں لوگ ایک دوسرے کے مذہبی جذبات کو سمجھ سکیں۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

''لَا يَنْهَاكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ''(28)

(اللہ تمہیں ان لوگوں کے ساتھ نیکی اور انصاف کرنے سے نہیں روکتا جنہوں نے تم سے دین کے معاملے میں جنگ نہیں کی۔)

یہ آیت باہمی حسن سلوک اور انصاف کی اہمیت واضح کرتی ہے۔ اس اصول کو آج کے معاشرے میں بھی سمجھا جاسکتا ہے۔

عمر بن عبد العزیزؒ کی پالیسیوں سے پاکستان کے لیے بنیادی سبق یہی ہے کہ ریاستی نظام میں عدل مضبوط ہو۔ اقلیتوں کے حقوق صرف کاغذ تک محدود نہ رہیں۔ مذہبی آزادی عملی طور پر محفوظ ہو۔ قانون سب کے لیے برابر ہو۔ اور مختلف مذاہب کے لوگوں کے درمیان احترام قائم رہے۔

عمر بن عبد العزیزؒ کی پالیسیوں کا مطالعہ صرف ایک تاریخی واقعے کے طور پر نہیں کیا جاسکتا۔ ان کے طرزِ حکومت میں ایسے اصول ملتے ہیں جو آج بھی اہم ہیں۔ خاص طور پر عدل، مساوات، مذہبی رواداری اور رعایا کے حقوق کا خیال۔ پاکستان کے موجودہ حالات میں بھی ان اصولوں سے رہنمائی لی جاسکتی ہے۔ بین المذاہب رابطہ بھی اس سلسلے میں مددگار ہوسکتا ہے۔ مختلف مذاہب کے لوگوں کو ایک دوسرے کے قریب آنے کے مواقع ملیں۔ مشترکہ معاشرتی مسائل پر مل کر کام کیا جائے۔ اس سے فاصلے کم ہوتے ہیں اور ایک دوسرے کو سمجھنے کا موقع ملتا ہے۔ قرآن مجید کا ایک اور اصول ہے:

''اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ''(29)

(عدل کرو، یہی تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔)

ان تعلیمات کی روشنی میں دیکھا جائے تو مذہبی رواداری کا مقصد صرف اختلاف برداشت کرنا نہیں۔ اصل مقصد یہ ہے کہ اختلاف کے باوجود انسان کے حقوق محفوظ رہیں۔ اس تمام بحث سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ عمر بن عبد العزیزؒ کی پالیسیوں اور پاکستان کے آئینی اصولوں میں کئی مشترک پہلو موجود ہیں۔ دونوں میں عدل، مساوات، مذہبی آزادی اور حقوق کے تحفظ کو اہمیت حاصل ہے۔ فرق زیادہ تر عملی صورتِ حال میں سامنے آتا ہے۔

مذہبی رواداری اور اقلیتوں کے حقوق کے بہتر تحفظ کے لیے چند باتوں پر خاص توجہ دینا ضروری ہے۔ اس سلسلے میں ریاست اور معاشرے دونوں کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ نا صرف عدل، مساوات کو عملی زندگی کا حصہ بنائیں بلکہ باہمی احترام کو بھی عملی زندگی کا حصہ بنائیں۔ عمر بن عبد العزیزؒ کے طرزِ حکومت سے بھی اس معاملے میں رہنمائی لی جاسکتی ہے۔ مندرجہ ذیل چند سفارشات اس سلسلے میں اہم کردار ادا کریں گی:

1. ریاست کو تمام شہریوں کے ساتھ بلاامتیاز عدل وانصاف کرنا چاہیے۔
2. اقلیتوں کے جان ومال اور مذہبی حقوق کا مکمل تحفظ کیا جائے۔
3. آئین میں دیے گئے اقلیتی حقوق پر عملی طور پر عمل کیا جائے۔
4. عبادت گاہوں کی حفاظت کو یقینی بنایا جائے۔
5. سرکاری اداروں میں مذہب کی بنیاد پر کسی قسم کا امتیاز نہیں ہونا چاہیے۔
6. اقلیتوں کو تعلیم اور ملازمت کے یکساں مواقع فراہم کیے جائیں۔
7. مذہبی تعصب اور نفرت پھیلانے والے رویوں کی روک تھام کی جائے۔
8. مختلف مذاہب کے لوگوں کے درمیان باہمی احترام کو فروغ دیا جائے۔
9. تعلیمی اداروں میں مذہبی رواداری اور برداشت کی تعلیم دی جائے۔
10. عمر بن عبد العزیزؒ کے عدل، مساوات اور رعایا کے تحفظ کے اصولوں سے رہنمائی لی جائے۔

حوالہ جات

1۔ القرآن الکریم، پارہ نمبر14، سورۃ النحل، آیت نمبر90
2۔ شعیب سرور، مولانا، حضرت عمر بن عبد العزیز کے 100 واقعات، (باھتمام: محمد انجم شرف)، لاہور: بیت العلوم، س ن، ص59
3۔ القرآن الکریم، پارہ نمبر3، سورۃ البقرۃ، آیت نمبر256
4۔ القرآن الکریم، پارہ نمبر14، سورۃ النحل، آیت نمبر90
5۔ القرآن الکریم، پارہ نمبر6، سورۃ المائدۃ، آیت نمبر8
6۔ عبد الرشید عراقی، عمر بن عبد العزیز (منہج خلافت کا ایک روشن باب)، لاہور: قدوسیہ اسلامک پریس، 2008ء، ص، 154
7۔ القرآن الکریم، پارہ نمبر28، سورۃ الممتحنۃ، آیت نمبر8
8۔ القرآن الکریم، پارہ نمبر3، سورۃ آلِ عمران، آیت نمبر57
9۔ عبد الرشید عراقی، عمر بن عبد العزیز (منہج خلافت کا ایک روشن باب)، لاہور: قدوسیہ اسلامک پریس، 2008ء، ص، 154
10۔ القرآن الکریم، پارہ نمبر3، سورۃ البقرۃ، آیت نمبر256
11۔ عبد الرشید عراقی، عمر بن عبد العزیز (منہج خلافت کا ایک روشن باب)، لاہور: قدوسیہ اسلامک پریس، 2008ء، ص، 154

12۔ القرآن الکریم، پارہ نمبر 5، سورۃ النساء، آیت نمبر 58

13۔ القرآن الکریم، پارہ نمبر 12، سورۃ ہود، آیت نمبر 85

14۔ محمد شعیب سرور، مولانا، حضرت عمر بن عبد العزیز کے 100 واقعات، (باتمام: محمد انجم شرف)، لاہور: بیت العلوم، س ن، ص 59

15۔ القرآن الکریم، پارہ نمبر 13، سورۃ الرعد، آیت نمبر 11

16۔ القرآن الکریم، پارہ نمبر 3، سورۃ البقرہ، آیت نمبر 256

17۔ اختر علی قریشی، آئین پاکستان 1973، لاہور: ندیم بک ہاؤس، 2023ء، ص 30

18۔ القرآن الکریم، پارہ نمبر 26، سورۃ الحجرات، آیت نمبر 13

19۔ القرآن الکریم، پارہ نمبر 17، سورۃ الحج، آیت نمبر 40

20۔ اختر علی قریشی، آئین پاکستان 1973، لاہور: ندیم بک ہاؤس، 2023ء، ص 36

21۔ القرآن الکریم، پارہ نمبر 14، سورۃ النحل، آیت نمبر 90

22۔ شعیب سرور، مولانا، حضرت عمر بن عبد العزیز کے 100 واقعات، (باہتمام: محمد انجم شرف)، لاہور: بیت العلوم، س ن، ص 59

23۔ القرآن الکریم، پارہ نمبر 14، سورۃ النحل، آیت نمبر 90

24۔ القرآن الکریم، پارہ نمبر 14، سورۃ النحل، آیت نمبر 90

25۔ اختر علی قریشی، آئین پاکستان 1973، لاہور: ندیم بک ہاؤس، 2023ء، ص 36

26۔ عبد الرشید عراقی، عمر بن عبد العزیز (منہج خلافت کا ایک روشن باب)، لاہور: قدوسیہ اسلامک پریس، 2008ء، ص 144

27۔ القرآن الکریم، پارہ نمبر 5، سورۃ النساء، آیت نمبر 135

28۔ القرآن الکریم، پارہ نمبر 28، سورۃ الممتحنہ، آیت نمبر 8

29۔ القرآن الکریم، پارہ نمبر 6، سورۃ المائدہ، آیت نمبر 8